

غالب کے بہترین

پانچ ستر

(اہل نظر کی نظر میں)

پیش لفظ

غالب کا دیوان خود ہی انتخاب بلکہ انتخابِ انتخاب کا نتیجہ ہے اس سے صرف پانچ شعر انتخاب کرنا آسان نہیں ہے۔ علاوہ بریں ہر شعر انسانی زندگی کے خاص حالات کا آئینہ دار ہوتا ہے خود غالب اپنے اشعار کی تشریح کے ضمن میں لکھتے ہیں۔

(ع) ہر سخن وقتے و ہر نکتہ مکانے دارد۔

لہذا انتخاب اشعار علاوہ شعر کی خوبی کے ان رجحانات سے متاثر ہو جاتا ہے جو انتخاب کرنے والے کے ذوق کی رہنمائی کرتے ہیں۔ خود غالب نے اپنے ذوق کے تقاضے کے تحت لکھا ہے ہ

فارسی میں تا بہ بینی نقشہ ہائے رنگ رنگ
بگزر از مجموعہ اردو کہ میرنگ من است

لیکن جیسا کہ اس انتخاب سے ثابت ہوتا ہے اہل نظر کو غالب سے اختلاف ہے اور صرف چند حضرات نے فارسی دیوان سے اشعار کا انتخاب کیا ہے اردو دیوان زیادہ مقبول ہے اور اردو میں بھی ان اشعار کو زیادہ پسند کیا گیا ہے جو قدرت تخیل کے لحاظ سے بھی اس قابل ہیں۔ نیز انتخاب کرنے والے کے رجحانات بھی مطابقت رکھتے ہیں غالب نے انتخاب اشعار کے بارے میں بالکل صحیح فرمایا ہے ہ

سے کھلتا کسی پر کیوں مرے دل کا معاملہ
شعروں کے انتخاب نے رسوا کیا مجھے

اس انتخاب سے یہ نظریہ رد ہو جاتا ہے کہ سادگی و سلاست سے ہی شاعری قبول عام حاصل کرتی ہے کیونکہ نظر انتخاب زیادہ تر ان اشعار پر پڑی ہے جن میں مضمون آفرینی ہے یا کوئی فلسفیانہ خیال ہے۔ مثلاً ان دو شعروں کو متعدد حضرات نے منتخب کیا ہے۔

رو میں ہے رخس عمر کہاں کچھ تھے نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے لکاب میں
ہوس کو ہے نشاط کار کیا کیا نہ ہو مرنا تو جینے کا مزا کیا،
پانچ اشعار کے انتخاب کی تجویز ادبی و تاریخی حیثیت سے اہمیت رکھتی ہے۔
غالب کے مختصر دیوان میں انسانی زندگی کے اکثر مسائل پر بحث ہے۔ ہر زمانہ کے
لوگ اپنے مخصوص حالات کی روشنی میں مطالعہ کریں گے۔ پیش نظر انتخاب سے اندازہ ہوتا
ہے کہ دور حاضر کے ادیب بازار شعر میں کس جنس گرا نمایاں کے متلاشی ہیں۔

فطرت انسانی کے راز جن اشعار میں بے نقاب کئے گئے ہیں وہ عموماً انتخاب میں
آئے ہیں۔ منتخب اشعار پر بحیثیت مجموعی نظر ڈالنے تو ان سے غالب کا کوئی خاص
فلسفہ پیدا نہیں ہوتا بلکہ متضاد نظریات زندگی ان اشعار کی بنیاد پر پیش کئے جاسکتے

ہیں اور ان سے ثابت ہوتا ہے کہ غالب کے اشعار میں فطرت کے جو نقوش ہیں ان میں تنوع ہے اور ہر انسان اپنے ذوق کی تسکین کا سامان ان میں پاسکتا ہے۔ لیکن منتخب اشعار کی نوعیت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ربخ و غم ابے ثباتی عالم، اور یاس و نامرہوی جن اشعار میں نمایاں ہے وہ زیادہ ہیں اور جن میں مسرت و اطمینان کی جھلک ہے وہ کم ہیں۔ اس سے خواہ آپ یہ نتیجہ نکال سچے کہ غالب نے فلسفہ غم کے اشعار دلی جذبات کے ساتھ لکھے ہیں اس لئے شاعری کا بہتر نمونہ ہیں یا پھر یہ نتیجہ بھی نکل سکتا ہے۔ کہ فضا پر قنوطیت چھائی ہوئی ہے اس لئے انتخاب کرنے والوں نے ماحول سے متاثر ہو کر ایسے اشعار کو نظر انداز کیا ہے جو فلسفہ مسرت کے حامل ہوں۔

یہ امر بھی قابل توجہ ہے کہ نظر انتخاب زیادہ تر غزلیات پر پڑی

ہے قصائد قطعات رباعیات وغیرہ سے صرف محدودے چن کر اشعار منتخب ہوئے ہیں۔

خادم ادب

علی بہادر خاں

نائب صدر انجمن ترقی اردو (شانہ دہلی)

میرزا اسد اللہ خاں المتخلص بہ غالب (دہلوی)

(ولادت ۸۔ رجب ۱۲۱۵ھ مادہ تاریخِ غریب)

(وفات ۱۲۸۵ھ مطابق ۱۸۶۹ء - مادہ تاریخ آہ غالب بمبرو)

شاہجہان آباد کے نہایت بلند پایہ فارسی شاعر اور مفکر تھے۔ حتیٰ کہ سخنورانِ پارس بھی ان کا لوہا مانتے تھے۔ قاطع برہان اور ساطع برہان ان کی قادر الکلامی پردال میں مہر نیم رو اور دستنبو ان کی مشہور زمانہ تصانیف میں۔ ان کے بیس ہزار چار سو چوبیس فارسی اشعار موجود ہیں۔ فارسی میں رشکِ عرفی و ظہوری تھے۔ بلکہ زبان کی پاکیزگی میں فردوسی سے ہم پلہ تھے خود اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں کہ ”شاعر کا کمال یہ ہے کہ فردوسی ہو جائے“ اس لئے ان کے فارسی کے کلام میں فردوسی کی طرح عربی الفاظ بہت ہی کم نظر آتے ہیں

شعر غالب بنودِ وحی نہ گوئیم و لے

تو ویرداں نتواں گفت کہ الہامی نیت

اردو کا مختصر دیوان ہے جس کا انہوں نے خود انتخاب کیا تھا۔ انقلابِ دہلی (۱۸۵۷ء) کے بعد انہوں نے مکتوبات کے سلسلے میں بے مثل نثر نگاری کی ہے۔ مکتوبات کا ایک مجموعہ ”عودِ سنبری“ ان کی زندگی میں چھپ گیا تھا۔ دوسرا مجموعہ اردوئے معلّے کے نام سے ان کی وفات کے بعد چھپا ہے ان خطوط میں ہندوستانی

سوسائٹی کا مرتبہ ہر جملہ سے عیاں ہے۔

ان کی عمر تیرہ سال کی تھی کہ شادی کر دی گئی جسے وہ خانہ بربادی ہی سمجھنے لگے
 ”آزادہ رو“ اور ”صلح کل“ مشرب رکھتے تھے، جس دور انحطاط میں ان کی زندگی گئی
 اس کا لازمی نتیجہ تھا کہ وہ فرمائیں۔

دل مراسوزِ دروں سے بے محابا جل گیا
 آتش خاموشی کی ماند گویا جل گیا

اس مجموعہ میں جن حضرات نے غالب کے پانچ پانچ شعر منتخب کرنے کی زحمت
 گوارا فرمائی ہے ان کی غالب نوازی کے کیلئے ہم تہہ دل سے ممنون ہیں۔

دہلی، ۲۰ فروری ۱۹۵۳ء

اراکین انجمن ترقی اردو

(شاخ دہلی)

مولانا ابوالکلام آزاد (حرب ذیل اشعار مختلف اوقات میں حاصل ہوئے)

ہیں خواب میں ہنوز جو جاگے ہیں خواب میں (غبارِ خاطر ۳۱)

شوریدگی میں ہاتھ سے سرزدِ وبالِ دوش
صحرا میں اے خدا کوئی دیوار بھی نہیں

رو میں ہے رخسِ غم کہاں دیکھئے تھمتے
نے ہاتھ باگ پر ہے نیا ہر کاب میں

ترداسنی پہ شیخ ہمارے نہ جابو
دامنِ پنچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں

سر پہ ہجومِ دردِ غربی سے ڈالنے
وہ ایک مشتِ خاک کہ صحرا کہیں جسے

نے تیر کہاں میں ہے نہ صیاد کہیں میں
گوشے میں قفس کے مجھے آرام بہت ہے

مصرعے مگر ستم زدہ ہوں ذوقِ خامہ فرسا کا۔

لغصاں نہیں جنوں میں، بلا سے ہو گھر خراب
دو گز زمیں کے بدلے بیاباں گراں نہیں

ناکردہ گناہوں کی بھی حسرت کی ملے داو
یارب اگر ان کردہ گناہوں کی سزا ہے

تھک تھک کے ہر مقام پہ دوچار رہ گئے
تیرا پتہ نہ پائیں تو ناچار کیا کریں

مولانا ابوالکلام آزاد

(صفحہ ۷ کا سلسلہ)

بوس گل کا تصور میں بھی کھسکا نہ رہا عجب آرام دیا بے پروبالی نے مجھے

۷ اڑنے سے پیشتر ہی مار رنگ زرد تھا

محرم نہیں ہے تو ہی نوا ہائے راز کا یاں ورنہ جو حجاب بے پردہ ہر ساز کا

مجھے یہ ڈر ہے دل زندہ تو نہ مر جائے کہ زندگی کافی عبادت ہے تیرے جینے سے

مصراع۔ زنداں میں بھی خیال بیا باں نور د تھا۔

قید میں بھی ترے وحشی کو رہی زلف کی یاد ہاں کچھ اک ربخ گراں باری زنجیر بھی تھا

گھر میں کیا تھا جو ترا غم سے ویراں کرتا

وہ جو ہم رکھتے تھے اک حرمت تویر سو ہے

(درجلد عام لاہور ۱۹۷۹ء)

غلام رسول مہر

بے تکلف در بلا بودن بہ از بیم بلا است
 قعر دریا سلسبیل و روے دریا آتش است

نشاطِ جم طلب از آسماں نہ شوکتِ جم
 قدحِ مباحش زیا قوتِ یادہ گر عینی است

بہ راہِ کعبہ زادم نیتِ شادم کز سبک باری
 برفتنِ پائے بر خارِ مغیلا نم نمی آید

اندر آں روز کہ پرش رود از ہر چہ گذشت
 کاش با ما سخن از حشر مانیز کند

ہفت روزخ در نہادِ شرمساری مضرت
 انتقام است این کہ با مجرم مدارا کردہ

غلام رسول مہر

بسکہ دشوار ہے ہر کام کا آساں ہونا
 آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا
 آئے ہے سبک بن عشق پہ رونا غالب
 کس کے گھر جانے کا سیلاب بڑا میرے بعد

دام ہر موج میں ہے حلقہ نصیر کام نہنگ
 دیکھیں کیا گذرے ہے قطرے پہ گہر موت تک

رو میں ہے رخس عمر کہاں دیکھے تھے
 نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں

رنج سے خوگر ہوا انساں تو مرٹ جانا ہر رنج
 مشکلیں مجھ پر پڑیں اتنی کہ آساں ہو گئیں

سائل

مصر پارہن عشق و ناگزیر الفت ہستی

عبادت برق کی کرتا ہوں افسوس حاصل کا

عجز و نیاز سے تو وہ آیا نہ راہ پر

دامن کو آج اس کے حریمانہ کھینچے

ہوس کو بے نشاط کار کیا کیا

نہ ہو مرنا تو جینے کا مزا کیا

مثال یہ مری کوشش کی ہے کہ مرغ اسیر

کرے قفس میں فراہم خس اشیاں کیلئے

طاعت میں تار ہے و مئے و انگیس کی لاگ

دوزخ میں کوئی ڈال دو جا کر بہشت کو

کہتے ہو کیا لکھا ہے ترمی سر نوشت میں
گویا جہیں پہ سجدہ بہت کا نشان نہیں

مجت میں نہیں ہے فرق مرنے اور جینے کا
اسی کو دیکھ کر جیتے ہیں جس کا فر پہ دم نکلے

کہتے ہوئے ساقی سے حیا آتی ہے ورنہ
ہے یوں کہ مجھے درد تہہ جام بہت ہے

حضرت ناصح گراہیں دیدہ و دل فرس راہ
کوئی مجہہ کو یہ تو سمجھا دو کہ سمجھائیں گے کیا

مجہہ تک کب اس کی بزم میں آتا تھا اور جام
ساقی نے کچہہ ملا نہ دیا ہو شراب میں!

گوپی ناتھ امن

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں
خاک میں کیا صورتیں ہونگی کہ پہاں ہو گئیں

پہلے آتی تھی حالِ دل پہ ہنسی
اب کسی بات پر نہیں آتی

پھر پریش جراتِ دل کو چلا ہے عشق
سامان صد ہزار نمکدراں کئے ہوئے

یارِ ب وہ نہ سمجھے ہیں نہ سمجھیں گے مری بات
دے اور دل ان کو جو نہ دے بھکوزباں اور

غم ہستی کا اسد کس سے ہو جز مرگِ علاج
شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک

پندت سدر لال

خدا کے واسطے پروردہ نہ کعبہ کا اٹھانا نام
کہیں ایسا نہ ہو یاں بھی وہی کافر صنم بکھے

وفا داری بہ شرط استواری اصل ایماں،
مرے بت خانہ میں تو کعبہ میں گاڑو رہن کو

رگوں میں دوڑتے پھرنے کے ہم نہیں قائل
جب آنکھ سے ہی نہ پڑکا تو پھر لہو کیا ہے

جہ نام نہیں صورت عالم مجھے منظور
جز وہم نہیں ہستی اشیا مرے آگے

قطرہ دریا میں جو مل جائے تو دریا ہو جائے
کام اچھا ہے وہ جس کا کہ مال اچھا ہے

جگن ناتھ آزاد

دل سے تری نگاہ جگرتک اتر گئی
زندوں کو ایک نگہ میں رضا مند کر گئی

نظارہ نے بھی کام کیا واپس نقاب کا
مستی سے ہر نگہ ترے رخ پر بھر گئی

آہ کو چاہیے اک عمر اثر ہونے تک
کون جیتا ہے تری زلف کے سر ہونے تک

ہم نے مانا کہ تغافل نہ کرو گے لیکن
خاک ہو جائیں گے ہم تم کو خبر ہونے تک

یہ مسائل تصوف یہ ترا بیان غالب
تجھے ہم ولی سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہوتا

علی بہادر خاں

اگلے وقتوں کے ہیں یہ لوگ انہیں کچھ نہ کہو!
جو مئے نغمہ کو اندر دربا کہتے ہیں

عشرتِ قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا
درد کا حد سے گزرنا ہے دوا ہو جانا

رو میں ہے رخس عمر، کہاں دیکھے تھے
نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں

ہوس کو ہے نشاط کار کیا کیا
نہ ہو مرنا تو جینے کا مسز کیا

مجھے یہ ڈر ہے دل زندہ تو نہ مر جائے
کہ زندگانی عبارت ہے تیرے جینے سے

حمیدہ سلطانہ

رنگِ شکتِ صبح بہارِ نظارہ ہے یہ وقت ہے شگفتن گلہائے ناز کا

فروغِ شعلہٴ خس یک نفس ہے ہوس کو پاسِ ناموس و فاکیا

زندگی یوں بھی گذرہ ہی جاتی کیوں ترارہ اگذریا د آیا

ہوس کو ہے نشاطِ کار کیا کیا نہ ہو مرنا تو جینے کا مزا کیا!

غمِ ہستی کا اسد کس سے ہو جز مرگِ علاج شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر بونے تک

وداع و وصل جدا گانہ لذتے دارو
 ہزار بار برو صد ہزار بار بیا
 غالب اگر نہ خرقہ و مصحف بہم فروخت
 پس چرا کہ زرخ مسے لالہ فام چیت؟
 ظالم تو و شکایت عشق! ایں چہ ماجرا ست؟
 بارے بمن بگو کہ دلت دا خواہ کیست
 آں راز کہ در سینہ تہان استانہ و عطا ست
 بردار تو اں گفت و بہ منبر تو اں گفت
 تغافلہ ہلے یام زندہ دارد ورنہ در زہ مش
 مجرم گریے بے اختیارم یلتو اں کشتن

بیجا کہ قواعد و اسباب بگردانیم
 قضا بگردش رطل گراں بگردانیم
 زلیت ہے ذوق مرگ خوش بنود
 دل اگر رفت جاں فی خواہم
 زخمہ بر تارگ جاں می زخم
 کس چہ دانند تا چہ دستاں می زخم
 ندارم تاب ضبط راز می ترسم ز رسوائی
 مگر جو بیم ز بہر ہمنر بانی بینر بانے را
 در پیچ نسخہ معنی لفظ امید زلیت
 فرہنگ نامہ ہائے تمنا نوشتہ ایم

ظالنصاری

میں ہوں اور آفت کا ٹکڑا یہ دل وحشی کہ ہے
عاقبت کا دشمن اور آوارگی کا آشنا

سراپا رہن عشق و ناگزیر الفت ہستی
عبادت برق کی کرتا ہوں اور فسوس حاصل کا

آتا ہے دل غحسرتِ دل کا شمار یاد
مجھ سے مرے گنہ کا حساب اے خدانہ مانگ

ہمارے ذہن میں اس فکر کہ ہے نام وصال
کہ گرنہ ہو تو جیسا کیسے، ہو تو کیوں کر ہو

قفس میں مجھ سے روداد چمن کہتے نہ ڈر ہم
گری ہے جس پہ کل بجلی وہ میرا آسنا کیوں

میں عدم سے بھی پرے ہوں ورنہ غافل بارہا
میرے آدہ آتشیں سے بال عمقا جل گیا

حسنِ غمزنے کی کشاکش سے چھٹا میرے بعد
بارے آرام سے ہیں اہل جفا میرے بعد

منصبِ شیفتگی کے کوئی قابل نہ رہا
ہوئی معزول انداز و ادا میرے بعد

نیند اس کی ہے دماغ اس کا ہے رتہاں اسکی ہیں
جس کے بازو پر ترمی زلفیں پریشیاں ہو گئیں

ہر لوبہ لہوس نے حسن پرستی شعار کی
اب آبروئے شیوہ اہل نظر گئی

آنڈر موہن زلتشی گلزارِ دیومی

دہر میں نقش و فوارِ جہتِ تلی نہ ہوا
ہے یہ وہ لفظ جو شرمندہ معنی نہ ہوا

کل کے لئے کرا آج نہ خستِ شرب میں
یہ سوئے نطن ہے ساقی کو تر کے باب میں

دیکھو کس طرح سے دشمن سے نباہی اُس نے
نہ سہی مجھ سے مگر اس عبت میں فابے تو سہی

محابا کیا ہے میں ضامنِ ادھر دیکھ
شہیدانِ نگہ کا خوں بہا کیا!

رشک کہتا ہے کہ ان کا غیر سے اخلاص حیف
عقل کہتی ہے کہ وہ بے مہر سے کا آشنا

ایمن الدین خاں (نواب لوہارو)

اے تازہ وارِ ان بساطِ ہوائے دل
زمہار گرتیں ہوس نئے نوشت ہے

دیکھو مجھے جو دیدِ باعبرت نگاہ ہو
میری سنو جو گوشِ نصیحت نیش ہے

یاشب کو دیکھتے تھے کہ ہے گوشہ بساط
دامانِ باعناں و کف گل فروش ہے

یا صبحدم جو دیکھے اکرتو بزم --- میں
نے وہ سرور شور نہ جوش و خروش ہے

داغِ فراقِ صحبتِ شب کی جلی ہوئی
اک شمع رہ گئی ہے سو وہ بھی نموش ہے



سید فرید حفصی

دم لیا تھا نہ قیامت نے ہنوز
کہ ترا وقت سفر۔۔۔۔۔ یاد آیا

خوشی میں نہاں خواں گشتہ لاکھوں روپے ہیں
چراغِ مردہ ہوں میں کجاں گورِ غربیاں ہوں

بہت دنوں میں تغافل نے تیرے پیدا کی
وہ اک نگاہ کہ لفظ ہر نگاہ سے کم ہے

پھر چاہتا ہوں نامُ دلدار کھولنا
جاں نذرِ دلفریبیٰ عنوان کئے ہوئے

سنہلنے دے مجھے اے ناامیدی کیا قیامت سے
کہ دامنِ نیالِ یار چھوٹا جائے ہے مجھ سے

رگ سنگ سے ٹپکتا وہ لہو کہ پھر نہ تھمتا
جسے غم سمجھ لے ہے ہو یہ اگر شرار ہوتا

میں اور بزمِ مے سے یوں تشنہ کام آؤں
گر میں نے کی تھی توبہ ساقی کو کیا ہوا تھا

گو میں رہا رہینِ ستم ہائے روزگار
لیکن ترے خیال سے غافل نہیں رہا

تھی وہ اک شخص کے تصور سے
اب وہ رعنائیِ خیال۔۔۔ کہاں

آرائشِ جمال سے فارغ نہیں ہونز
پیش نظر ہے آئینہِ دائمِ نقاب میں

برج لال رعنا جلی

اُن کے دیکھے سے جو آجاتی ہے منہ پر رونق
 وہ یہ سمجھتے ہیں کہ بیمار کا حال اچھا ہے
 ہوس کو بے نشاط کار کیا
 نہ ہو مرنا تو جینے کا مسز کیا
 ہم نے مانا کہ تعافل نہ کرو گے لیکن
 خاک ہو جائیں گے ہم تم کو خبر ہونے تک
 نظر لگے نہ کہیں اس کے دست و بازو کو
 یہ لوگ کیوں مرے زخم جگر کو دیکھتے ہیں
 کیوں گردشش مدام سے گھبرانے والے دل
 انسان ہوں پیالہ و ساغر نہیں ہوں میں

عزیز وارثی

سفر عشق میں کی ضعف نے راحت ظہری
ہر قدم سایہ کو ہیں اپنے شبستاں سمجھا

تم سے بیجا ہے مجھے اپنی تباہی کا گلہ
اس میں کچھ شائبہِ خوبی تقدیر بھی تھا

گو ہیں رہا رہیں ستم ہائے روزگار
لیکن ترے خیال سے غافل نہیں رہا

ہر چند ہوتا شاہدِ حق کی گفتگو
بنتی نہیں ہے بادِ وساغر کہے بغیر

آشفگی نے نقش سویدا کیا درست
ظاہر ہوا کہ داغ کا سر پایہ دو دہتا

پنڈت ہری چند اختر

عجز و نیاز سے تو نہ آیا وہ راہ پر
 دامن کو اس کے آج حریفانہ کھینچے

نہ ہوئی گرمیرے مرنے سے تسلی نہ سہی
 امتحاں اور بھی باقی ہیں تو یہ بھی نہ سہی

دل پھر طواف کوئے ملامت کو جائے ہے
 پندار کا صنم کدہ ویراں کئے ہوئے

حبان تم پر نثار کرتا ہوں
 میں نہیں جانتا دعا کیا ہے

چمن میں مجھ سے رودادِ قفس کہتے نہ ڈر ہمد
 گرمی ہے جس پہ کل بجلی وہ میرا شیاں کوس ہو

نظر ادیب

غم فراق میں تکلیف سیرگی نہ دو
مجھے دماغ نہیں خندہائے بیجا کا

تھی وہ اک شخص کے تصور سے اب وہ رعنائی خیال کہاں
تجربہ سے تو کچھ کام نہیں لیکن اے ندیم
میرا سلام کہیو اگر نامہ برسے ملے

رخساریار کی جو ہوئی جلوہ گزری زلفِ سیاہ بھی شبِ مہتاب ہو گئی

کیا فرض ہے، کہ سب کو ملے ایک سا جواب
اؤ نہ ہم بھی سیر کریں، کوہِ طور کی

آفاقِ دہلوی

وہ بارہُ شبانہ کی سرمستیاں کہاں
اٹھیں بس اب کہ لذتِ خوابِ سمرگئی

لازم تھا کہ دیکھو سر راستہ کوئی دن اور
تنہا گئے کیوں اب رہو تنہا کوئی دن اور

مِرٹ جائے گا سرگر ترا پتھر نہ گھسے گا
ہوں در پہ ترے ناصیہ فرسا کوئی دن اور

آئے ہو کل اور آج ہی کہتے ہو کہ جاؤں
مانا کہ نہیں آج سے اچھا کوئی دن اور

جاتے ہوئے کہتے ہو قیامت کو ملیں گے
کیا خوب قیامت کا ہر گویا کوئی دن اور

جی پنی کپور

مہر باں ہو کے بلا لوبجے چاہوں وقت
میں گیا وقت نہیں ہوں کہ پھر آ بھی نہ سکوں

ہوس کو ہے نشاطِ کار کیا کیا
نہ ہو مرنا تو جینے کا مزا کیا

ہوئے میں پالوں ہی پہلے نبردِ عشق میں زخمی
نہ بھاگا جاگے مجھ سے نہ ٹھہرا جائے مجھ سے

عاشقی صبرِ طلب اور تمنا بیتاب
دل کا کیا رنگ کروں خونِ جگر ہو نیک

جی ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کے رات دن
میٹھے رہیں تصویرِ جاناں کے ہوئے

بشیشور پر شاد منور لکھنوی
(درشان غالب)

ہر کہ در دنگے ہست نثار غالب گشت زنگار فلک آیینہ دار غالب

قدسیاں اندر چو طاووس شیراز قص می سزد لوح زمرد بجزار غالب

نیم ناسودہ از شام سحر اندر سحر دارم حیات تازہ می جویم اگر چه فرق بردارم

منور می کنم سیراب از خونم جہانے را مزار غالب دور آفرین را در نظر دارم

می خورم بادہ الہام ز جام غالب کام من سلسلہ جنبانست یکا کام غالب

دہنم ز آرزوے فیض کشادہ بہیم بارش جلوہ معنی است کلام غالب